

قرآن حکیم کا تصور اجتماعیت

علمائے اجتماعیت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انسان منی الطبع ہے۔ باہم مل جل کر رہنا اور زندگی بسر کرنا انسان کی طبیعت اور فطرت میں داخل ہے۔ جب انسان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرتے ہیں تو اس ملاپ کے نتیجے میں اجتماعیت جنم لیتی اور پردان چڑھتی ہے۔ اسی اجتماعیت کی کوکھ سے بے شمار ضروریات اور مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہ مسائل فرد سے متعلق بھی ہوتے ہیں اور اجتماع و معاشرے کا احاطہ بھی کرتے ہیں۔ یہ معاشی بھی ہوتے ہیں اور سیاسی بھی، روحانی بھی ہوتے ہیں اور مادی بھی۔ ان کا تعلق حقوق اللہ کی بجا آوری سے بھی ہوتا ہے اور حقوق العباد کی تکمیل سے بھی، اسی طرح یہ مسائل راعی اور رعایا نیز ملک و ملت سمی امور کا احاطہ کرتے ہیں۔

اجتماعی مسائل کو حل کرنے کے لئے دو طرح کی کوششیں ہمارے سامنے ہیں۔ پہلی قسم کی کوششوں کا تعلق انسانی کاوشوں سے ہے۔ گویا انسان نے اپنے مسائل حل کرنے اور اپنے جھگڑے چکانے کی مقدور بھر جدوجہد کی لیکن انسانی وسائل محدود، انسانی عقل و فکر کمزور اور انسانی توانائیاں ناکافی ثابت ہوئیں اور مسائل کا کوئی خاطر خواہ حل میسر نہ آسکا۔ انسانی مسائل حل کرنے کا دوسرا ذریعہ وحی ہے۔ یہ ذریعہ ربانی ہے اور خالق کائنات انسان کے مسائل اور ان کی تنہی و تلخی سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے وحی کے ذریعے انسان کی رہنمائی اور ہدایت فراہم کی اور وحی کا پیغام ہی انسانی مسائل کا حل فراہم کرتا ہے جو ہر دور میں مذہب کی ضرورت اور اس کے انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے کی عمدہ دلیل ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اس لئے وہ انسانی فطرت کے مطابق رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا ہے۔ ویسے دین کا وجود اور وحی الہی کی تعلیم اجتماعیت کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ دینی احکام کے اولین مخاطب انسان ہیں۔ اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اور ہادی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور انسانی اقوام جو درحقیقت انسانی اجتماع کو ہدایت ربانی کا پیغام پہنچاتے رہے اور اسلام کے پردے کو پہنچنے اور اس کی آبیاری کرتے رہے۔

عام طور پر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے رہے اور ان کی تعلیمات بھی وقتی اور اپنے اپنے زمانے کے لئے ہوتی تھیں۔ کیونکہ نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری تھا۔ جب انسانی عقل و شعور بالغ ہو چکے، ہادیان برحق اپنا اپنا پیغام اپنے اپنے حلقے میں پہنچا چکے، تو خالق کائنات نے ایک ایسا ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا جو سلسلہ نبوت کی آخری کڑی بھی ہے اور اجتماعیت کا مبلغ اعظم بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ہادی کامل نے پوری انسانیت کو خطاب کر کے فرمایا

ياايها الناس اني رسول الله اليكم جميعا

اے لوگو! میں تم سب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

گویا سابقہ انبیاء علیہم السلام رشد و ہدایت اور اجتماعیت کا جو فریضہ اپنی اپنی اقوام میں ادا کرتے رہے، میں وہ

پیغام الہی پوری انسانیت تک پہنچاؤں گا۔ پوری انسانیت کو اسلام کی شیدائی اور پیغمبر بنا دوں گا اور ان میں وحدت و مساوات انسانی کا ایسا عملی مظاہرہ کروں گا کہ پوری انسانیت اجتماعیت کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکے گی۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو اخوت، مساوات، بھائی چارے اور برادری کا درس دیا اس لئے آپ پر نازل کی جانے والی کتاب مقدس قرآن حکیم اجتماعیت کا ابدی نمونہ ہے۔ لہذا الہامی کتابوں میں قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جسے حقیقی معنوں میں اجتماع اور معاشرے کی کتاب کہا جا سکتا ہے۔ اس کے مخاطب وہ انسان ہیں جو جنگوں میں نہیں بلکہ بستیوں میں آباد ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر باہمی تعاون اور اشتراک سے زندگی گزارتے ہیں۔

قرآن حکیم کے احکام و نواہی اور تعلیمات پر غور کیا جائے تو ان سب میں اجتماعیت کا گہرا تصور ملتا ہے۔ توحید کا عقیدہ ہو یا قیادت کا تصور رسولوں پر ایمان لانے کا حکم ہو یا فرشتوں اور کتابوں کی اصلیت و حقیقت کو تسلیم کرنا، سبھی اجتماعیت کا درس دیتے ہیں۔ اسی طرح عبادات میں نماز ہو یا زکوٰۃ، روزہ ہو یا حج، تبلیغ ہو یا جہاد سبھی اجتماعیت کے مظہر ہیں۔ نیز معاشی و معاشرتی احکام ہوں یا سیاسی و آئینی ضابطے، قانونی و چیدگیاں ہوں یا نفسیاتی الجھنیں۔ ان سب کا تعلق معاشرے سے ہے اور ان سب امور میں قرآن حکیم اجتماعی انداز میں رشد و ہدایت اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ گویا قرآن حکیم کی تعلیمات کا مزاج ایسا اجتماعی ہے کہ وہ سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے مطمح اور فرمانبردار بندے دیکھنا چاہتا ہے جو انسانی اجتماعیت کی عمدہ مثال اور فلاحی معاشرے کی ضمانت ہے۔

قرآن حکیم میں اجتماعیت کا تصور کس حد تک موجود ہے اس کا اندازہ ہمیں ایسی آیات سے بخوبی ہوتا ہے جن کا تعلق پوری انسانی نسل سے ہے۔ قرآن حکیم صرف مومنوں یا متقیوں کے لئے ہی کتاب ہدایت نہیں ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مدی لمناس ہونے کا امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ مزید برآں قرآن حکیم نے بار بار نسل انسانی کو مخاطب کیا، **یَا اَیُّهَا النَّاسُ**، **یَا اَیُّهَا اِنْسَانُ** اور **یَا اَیُّهَا النَّاسُ** کے الفاظ اس امر کی زندہ مثالیں ہیں۔ یہ اسلوب بیان اجتماعی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے اہل کتاب کے ساتھ بھی یک جہتی اور اجتماعیت کے اظہار کے لئے انہیں یا اہل الکتاب کے خطاب سے پکارا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر قرآن حکیم مسلمانوں میں ہابی اجتماعیت کی روح چھونکنا چاہتا ہے اور اہل اسلام کو اجتماعیت کی شکل میں دیکھتا ہے۔ اس لئے جب بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کیا تو ان میں سے کسی فرد کو نہیں پکارا بلکہ **یَا اَیُّهَا النَّاسُ** کہہ کر پوری ملت اسلامیہ کو خطاب کیا جو اجتماعیت کا فکری اور عملی اعلان اور مظاہرہ ہے۔

قرآن مجید نے اپنے مقایم و مطالب بیان کرنے کے لئے جو اسماء، مشتقات اور افعال منتخب کئے ان پر جمع کے سینے غالب ہیں۔ ایسے الفاظ کی تعداد کا تناسب تقریباً سترہ فیصد ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ایمان ہی کو لہجے اس کے جملہ مشتقات ساڑھے چھ سو سے متجاوز ہیں جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے اکثر جگہ جمع کے سینے استعمال ہوئے ہیں اور جن مقامات پر واحد کے سینے بیان ہوئے ہیں وہاں بھی سیاق و سباق کے حوالے سے ایک سے زیادہ افراد مراد ہیں۔ یہی حال لفظ عمل، عبادت، اطاعت، تقویٰ، صلوة اور زکوٰۃ کا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ انداز بیان ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو افراد نہیں جماعت کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اجتماع و معاشرے کو بہت اہمیت اور فضیلت دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں میں معاشرتی حس اور فلاحی احساس اجاگر کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے اجتماعیت کے جو اصول عطا کئے ہیں ان کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ وہ معاشرے کی بجائے فرد کو براہ راست مخاطب کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایسا کوئی حکم شاید ہی موجود ہو جس کا مخاطب ملت اسلامیہ کا ہر فرد نہ ہو۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ قرآنی احکام میں فرد اصل اور مقصود بالذات ہے۔ ہر فرد کی اصلاح اجتماعی اور معاشرتی اصلاح کی ضامن ہوتی ہے اس لئے قرآنی احکام میں فرد کو معاشرتی فلاح و بہبود کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے اجتماعی اصلاح کا معیار فرد ہے، معاشرہ نہیں۔ کیونکہ قرآن حکیم زندگی کے اس تسلسل کی تعلیم دیتا ہے جو اس زندگی اور دنیا کے بعد بھی قائم رہے گی۔ ہر فرد کو اپنے تمام اعمال و افعال کا حساب دینا ہو گا۔ قرآنی تعلیمات پر اجتماعیت کا تصور اس قدر غالب ہے کہ قیامت یعنی یوم حساب میں بھی حقوق اللہ تو معاف کئے جاسکتے ہیں لیکن حقوق العباد کی ایک ایک کوڑی کا حساب دینا ہو گا۔

قرآن حکیم زندگی کے جس لازمی تسلسل کا داعی ہے وہ فرد کو اس تسلسل کے لئے اس طرح تیار کرنا چاہتا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنا فرض پوری لگن اور دیانت داری سے بجالائے کیونکہ قیامت کے دن کوئی دوسرا شخص اس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور فرد کی اخروی فوز و فلاح قرآن حکیم کے مطابق یہ ہے کہ وہ آخرت میں عذاب الہی سے محفوظ رہے جسے قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لَمَنْ زُهْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فُزَ (سورہ آل عمران:)

پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور رہا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا۔

اس مقام تک ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ انسان معنی الطبع ہے۔ کسی دین کو پھینچنے اور ترقی کرنے کے لئے اجتماعیت اور معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے وہ بھی معاشرے کا دین ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا بڑا حصہ اجتماعیت کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ فرد پر بنیادی ذمہ داری عائد کرتا ہے تاکہ فرد کی اصلاح سے معاشرتی بہبود اور سماجی انصاف قائم ہو۔ اب ہم قرآن حکیم کے قائم کردہ تصور اجتماعیت اور قرآنی معاشرے کے بنیادی خدوخال بیان کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے اجتماعیت کا جو تصور ملتا ہے اس کے کئی امتیازی پہلو ہیں۔ اس اجتماعیت کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ اس میں عالمگیر وسعت پائی جاتی ہے گویا یہ اجتماعیت کسی بھی زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہے۔ اس کی آفاقیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ کسی خاص رنگ، نسل یا ملک سے تعلق رکھنے والے انسانوں تک محدود نہیں بلکہ کہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں پر حاوی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم نے پوری انسانیت کو مخاطب کیا ہے۔ جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دامن تھام لیتا ہے اور دنیا میں موجود ابدی اور لازوال صداقتوں کو اپنالیتا ہے وہ اس عالمگیر اجتماعیت میں شامل ہو جاتا ہے۔

اس آفاقی اور عالمگیر اجتماعی فکر کے لاتعداد قرآنی مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، چنانچہ قرآن حکیم کی پہلی آیت الحمد للہ رب العالمین ہے اور آخری سورہ الناس ہے جس میں اللہ تعالیٰ پوری نسل انسانیت کا رب ہے چنانچہ قرآن حکیم کا اعلان ہے۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ ----

قرآن حکیم میں ایسی بھی آیات موجود ہیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت اور جامعیت کا ذکر ہے۔ آپ ساری انسانیت کے رسول اور اقوام عالم کے لئے رحمت ہیں۔ چنانچہ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے ”وما ارسلناک الا رحمته للعالمین“ کہ ہم نے آپ کو اقوام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اسی طرح آپ کی اجتماعی رسالت کا اعتراف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ وما ارسلناک الا کلمتہ للناس بشیرا ونذیرا ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

تیسری قسم کی آیات کا تعلق انسانوں سے ہے۔ ایسی آیات تمام انسانوں کو مخاطب کرتی ہیں۔ ان آیات میں زمین، آسمان، چاند، سورج، دریا، پہاڑ، پانی و ہوا، آگ و روشنی، دن رات، پادل و بارش، موسم، جمادات و نباتات اور دوسرے بہت سے مظاہر فطرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اس کائنات کے تمام انسانوں کے لئے یکساں مفید ہیں۔

قرآن حکیم کے تصور اجتماعیت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ تصور نظام فطرت سے مطابقت رکھتا ہے اور فطرت نے انسانی زندگی کے جو اصول و ضوابط متعین کر رکھے ہیں ان میں اور قرآن حکیم کے تصور اجتماعیت میں نہ تو کوئی تضاد پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی تضاد ملتا ہے بلکہ ان میں باہمی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم انسان کے اجتماعی اداروں اور قدرتی تنظیموں کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ یہ ادارے نظام فطرت کے مطابق ہیں نیز یہ ادارے انسانوں کی کاوشوں سے وجود میں نہیں آتے نہ ہی انسان اپنے اختیار اور ارادے سے ان اداروں میں منسلک ہوتا ہے۔ مثلاً ایک انسان پیدائش کے وقت ہی ایک خاندان، ایک قبیلے، ایک قوم اور ایک وطن سے وابستہ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان قدرتی اداروں کی نفی نہیں کی بلکہ انہیں برقرار رکھا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے۔

ياايهاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا سورة الحجرات: (۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف قومیں اور قبیلے بنایا

تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

جس طرح قرآن حکیم خاندانوں اور قبائل کے اجتماعی ادارے کو انسانی پہچان کا ذریعہ قرار دیتا ہے اسی طرح وہ رنگ و نسل اور زبان کے اجتماعی اداروں کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ عالمگیر اور آفاقی معاشروں کے افراد میں رنگ و نسل کا فرق پایا جانا ایک قدرتی امر ہے جو آب و ہوا کی تبدیلی اور بعد و مسافت کا لازمی نتیجہ ہے چنانچہ اس حقیقت کا تصور اس آیت میں موجود ہے۔

ومن اياته خلق السموات والارض و اختلاف السننکم والوانکم (سورة الروم: ۲۲)

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانیں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف قرآنی تصور اجتماعیت کا تیسرا وصف مساوات و برابری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ پیدائشی طور پر کسی انسان کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم جس اجتماعی برابری کی تعلیم دیتا ہے وہ ایک ذہنی تصور نہیں بلکہ عملی حقیقت ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس اجتماعی حقیقت کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا۔ سب انسانوں کی پیدائش کا آغاز ایک ہی جوڑے سے ہوا۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے۔

اللہ الذی احسن کل شئی خلقہ و بما خلق الانسان من طین۔

اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جس نے ہر چیز کو عمدگی کے ساتھ پیدا کیا اور انسان کی تخلیق گارے سے کی۔

اسی طرح قرآن حکیم اس زوال سچائی کا بھی اعلان کرتا ہے کہ نوع انسان کو ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا اور اس کے افراد میں بے شمار عورتیں اور مرد پیدا کر کے نوع انسان کو اجتماعیت میں بدل دیا گیا۔ سورہ نساء کی پہلی آیت اسی حقیقت کا اعلان ہے۔

بَالِهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا
وَنَسَاءً (سورہ النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس نے اس میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دو سے بکثرت مرد و عورت پھیلانے۔

قرآن حکیم نے جس پیدائشی مساوات کا اعلان کیا ہے اس کے اجتماعیت پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، ان کی حیثیت اور مرتبے کا لحاظ کئے بغیر قانون ان سے مساوی سلوک کرتا ہے کیونکہ قرآن حکیم نے اس پیدائشی مساوات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر انسان اور ہر فرد کو براہ راست مخاطب کیا ہے۔ گویا قرآن حکیم ہر فرد کی انفرادیت کے حق کو یوں مانتا ہے کہ ہمیں سے اسلام کا نظام جزا و سزا اور اس کا نظام محاسبہ وجود میں آتا ہے کیونکہ افراد میں ایسی مساوات کے عناصر موجود ہیں جو انہیں اجتماعیت اور معاشرے میں بدل دیتے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم معاشرے کی اصلاح و فلاح کے لئے فرد کی درستی اور اس کے نیک ہونے پر زور دیتا ہے۔

قرآن حکیم کے تصور اجتماعیت کا چوتھا ستون اجتماعی عدل ہے جس کے ذریعے فرد کے حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ عدل اجتماعی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد کے تمام حقوق پوری طرح محفوظ ہوں۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ معاشرے کے چند افراد کو حقوق کا تحفظ فراہم کر دیا جائے اور معاشرے کے باقی ماندہ افراد کے حقوق پامال کر دیئے جائیں بلکہ اس کا نشاء یہ ہے کہ ہر فرد کو حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی جائے۔ ہمیں سے حقوق کے ساتھ فرائض کا تصور بھی قائم ہوتا ہے۔ گویا قرآن حکیم کے اجتماعی نظام میں جس اجتماعی عدل کا ذکر کیا گیا ہے وہ حقوق و فرائض میں توازن پیدا کرنے اور معاشرے کے ہر طبقے کو اس کے مفادات اور ذمہ داریوں کو احساس دلانے کا دوسرا نام ہے۔

قرآن حکیم اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے اور جو کتابیں نازل کیں ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دنیا میں ایسا انسانی معاشرہ قائم ہو جس میں ہر انسان کے حقوق پوری طرح محفوظ ہوں اور کسی فرد کو حق تلفی کی شکایت نہ ہو۔ قرآن حکیم کی تعلیمات میں عدل اجتماعی کو جو مقام اور اہمیت حاصل ہے اس کی تعبیر سورہ الحدید کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

لَقَدْ ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط۔ (سورہ الحدید: ۲۵)

بے شک ہم نے اپنے رسول رسلوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان عدل قائم کریں۔

اس آیت کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کا ایک بڑا مقصد منصفانہ بنیادوں پر معاشرے کا قیام ہے۔ قرآن حکیم کے بیان کئے ہوئے اصول اپنا کر ہی ایسا معاشرہ قائم ہو سکتا ہے جو عدل اجتماعی کا نمونہ ہو۔ قرآن نے عدل و انصاف کو بہت وسعت دی ہے چنانچہ کتاب ہدایت میں بائیس

مقامات پر لفظ ”عدل“ اور تمیں مقامات پر لفظ ”قسط“ یعنی عدل و انصاف نازل ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے عدل اور اس کے حوالے سے عدل اجتماعی کو ایک اعلیٰ اجتماعی قدر کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں چند آیات ملاحظہ فرمائیے۔

ان الله يامر بالعدل والاحسان

بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے

اعدلو هو القرب للتقوى

عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب تر ہے

اذا قلتم لاعدلو ولو كان ذا قربى

جب تم بات کو تو عدل کرو، اگرچہ تمہارا رشتہ ہی ہو

واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل

جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو

وامرت لا عدل بينكم

اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہاری مابین عدل کروں۔

کتاب الہی عدل اجتماعی کی داعی ہے اس لئے وہ ایسے قوانین و احکام نافذ کرتی ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہو اور اس میں عقائد و عبادت کے بارے میں بھی ایسی تعلیمات موجود ہیں جو انسانی ذہن کو اجتماعیت کے سانچے میں ڈھالتی ہیں۔

قرآن حکیم کے عطا کردہ نظام اجتماعیت کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظام وحی کے ذریعے نسل انسانی کو عطا ہوا۔ واضح رہے انسان کے خود ساختہ سارے نظاموں میں غلطی، کمزوری اور نقص کا پایا جانا لازمی امر ہے۔ جبکہ وحی کا لایا پیغام ان نقائص سے پاک ہوتا ہے نیز یہ نظام اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس لئے وہ نہ صرف انسانی ضرورتوں اور مسائل کا حل فراہم کرتا ہے بلکہ اس اجتماعی نظام کے اصول و مہادی ہر زبان و مکان کے لئے قابل عمل ہیں۔ جب تک مسلمان اسلام کے اجتماعی اصول اپنائے رہے ان کا رعب دبدبہ اور قوت کا یہ عالم تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت ان سے لرزہ براندام رہتی تھی۔ مسلمانوں کو انحطاط اور تنزل سے اسی وقت چھٹکارا مل سکتا ہے جب وہ قرآن حکیم کا اجتماعی نظام بحال کریں۔

قرآن حکیم جو اجتماعی نظام عطا کرتا ہے اور جس کے نتیجے میں فلاحی معاشرہ ترتیب پاتا ہے۔ وہ معاشرہ ہر طرح کی سیرات اور بدعات سے پاک ہوتا ہے۔ اس میں غیر اسلامی عوامل کے پائے جانے کی قطعی گنجائش نہیں ہوتی۔ قرآن غیر اسلامی رسومات اور غیر دینی رواجوں کی جاہلیت کی باتیں قرار دیتا ہے کیونکہ دور جاہلی میں ایسی باتیں معاشرے میں رائج تھیں۔ اسلام نے ان میں سے بیشتر کی ممانعت کر دی کیونکہ جاہلیت کی رسوم انسانی قدروں کے منافی تھیں۔ دور جاہلیت کی بری باتوں سے اجتناب برتنے کے لئے قرآن حکیم نے امتات الامنین رضی اللہ عنہن کو مخاطب فرمایا اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جاہلی دور کی فرسودہ رسوم سے مکمل طور پر اجتناب کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیہ

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اور جاہلیت کی جج دھجج نہ دکھاؤ

جس اجتماعی تصور کی بات کی جا رہی ہے اس کا ایک زریں اصول یہ بھی ہے کہ اس میں انسان دوستی کو اعلیٰ سماجی قدر کا درجہ حاصل ہے۔ انسان دوستی کا تصور دوسرے معاشرے اور زندگی کے نظاموں میں بھی ملتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم کا دیا ہوا انسان دوستی کا تصور کسی لالچ، صلہ کی تمنا، دکھاوے یا بدلے سے خالی ہوتا ہے اور اس انسان دوستی کی بنیاد رضائے الہی پر استوار ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلمان جب کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوتی ہے چنانچہ مسلمان جب معاشرے کے کمزور طبقوں کی اعانت اور دیکھری کرتا ہے تو وہ بھی خالصتاً اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کا تصور اجتماعیت اس زریں اصول کی وجہ سے دیگر مروجہ اجتماعی نظاموں پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ اصول قرآن حکیم کی اس آیت سے اخذ کیا جاتا ہے۔

وَيَطْمُونَ الطَّمْعُ عَلَىٰ حَبِّ مَسْكِينٍ وَتِيمًا ۝ وَاسِيرًا

اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

خدا ترسی اور انسان دوستی جس اجتماعی نظام کے بنیادی عناصر ہوں، اس نظام میں ظلم و تعدی، دشمنی، عداوت، باہمی چپقلش، دلی کدورت، لوٹ کھسوٹ اور دوسروں کی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ اس اجتماعی نظام میں "للمستبوا العورات" نیکی میں سبقت لے جاؤ، کے حکم کی بجا آوری میں ہر انسان یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق ادا کرے اور ممکنہ حد تک اپنے حق اور اپنی ذات کا ذکر نہ کرے بلکہ وہ چمپا کر نیکی کرنے کے اسلامی اصول کو اپناتا ہے اور زندگی کی جو سولتیں اور سرتیں اس کی اپنی ذات کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ وہ انہیں بھی دوسرے انسانوں پر نچھاور کر کے طمانیت قلب اور اخروی کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ اس اجتماعی قدر کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

وَوَثْرُونَ عَلَىٰ انْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اور مسلمان ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی چیزیں دوسروں کو دے دیتے ہیں جو ان کی اپنی ذات کے لئے خاص ہوتی ہیں۔

• قرآن حکیم کے اجتماعی تصور کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نظام میں ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا پورا موقع میسر آتا ہے۔ اس نظام حیات میں ایسا نہیں ہوتا کہ جو شخص معاشی طور پر خوش حال ہو یا سماج میں بھی بڑے منصب پر فائز ہو وہی باصلاحیت ہوتا ہے اور وہی سب امور کا ماہر قرار پاتا ہے اور نسبتاً معاشی طور پر کمزور افراد کو رائے کے اظہار اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع حاصل نہیں ہوتے۔ یہ اجتماعی اصول اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں میں جاری اور رواں دکھائی دیتا ہے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اس حقیقت کی جیتی جاگتی عملی تصویر ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے خالق کائنات نے اس مساوی حق کی تائید کی۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور اس معاملے میں ان (مسلمانوں) سے مشورہ کیجئے

گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر مسلمان سے مشورہ کریں۔ اس کی صلاحیتوں پر اعتماد کریں اور اس کی استعداد سے استفادہ کریں۔

اس کی مزید تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

کلکم راع و کلم مسئول عن رعیتہ

اے مسلمانو! تم سب حکمران ہو اور تم سب اپنی رعیت کے لئے جواب دہ ہو۔

اجتماعی نظام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں اخوت اور برادری کا ایک وسیع دائرہ موجود ہے جو شخص اسلام کا دامن تھام لیتا ہے وہ ملت اسلامیہ کا فرد اور اسلامی برادری کا رکن ہے۔ گویا قرآنی تصور اجتماعیت کی یہ اعلیٰ ترین منزل ہے۔ جب ایک ملت کے افراد نسبی اور خونی بھائیوں کی طرح ہوں۔ ان کی خوشیاں ایک ہوں، ان کے مصائب مشترک ہوں اور ان کی ساری قومیں ظلم و تعدی کے خلاف صرف ہوں تو اس اجتماعی پس منظر میں اس قرآنی آیت پر غور کیجئے۔

انما المؤمنون اخوة فاصالحوا بین احوالکم

بے شک مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرا دیا کرو ہم اپنی گفتگو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ختم کرتے ہیں جو اجتماعیت کی روح اور فلاحی معاشرہ کے قیام کی ضمانت ہے۔ آپ نے فرمایا۔

المسلم اخوا المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ ---

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کرے، نہ دسے رسوا ہونے اور نہ اسے حقیر سمجھے۔ انسان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ مسلمان کی تمام چیزیں مسلمان پر حرام ہیں۔ یعنی مسلمان کا خون، مسلمان کا مال اور مسلمان کی عزت و آبرو۔

قرآن حکیم کا تصور اجتماعیت کو اس فرمان مصطفویٰ کی روشنی میں عملی جامہ پہنایا جائے تو معاشرہ امن و سکون کا گوارہ بن جائے گا۔ اور ہر فرد اپنے حقوق و فرائض باحسن و خوبی بجالائے گا۔ یہی دینی کامیابی اور اخروی فلاح ہے۔

میں، ہم اور تم

”موت کے وقت جو چیز قبضہ میں لے لی جاتی ہے وہ آدمی کی حیوانی زندگی (Biological Life) میں بلکہ اس کی وہ خودی اور اس کی وہ انا (Ego) ہے جو ”میں“ اور ”ہم“ اور ”تم“ کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ دنیا میں کام کر کے جیسی کچھ شخصیت بھی بنتی ہے وہ پوری کی پوری یعنی جوں کی توں (Intact) نکال لی جاتی ہے بغیر اس کے کہ اس کے اوصاف میں کوئی کمی بیشی ہو اور یہی چیز موت کے بعد اپنے رب کی طرف پھٹی ہے۔ اسی کو آخرت میں نیا جنم، نیا جسم دیا جائے گا اسی پر مقدمہ کیا جائے گا۔ اسی سے حساب لیا جائے گا اور اسی کو جزا و سزا دیکھنی ہو گی۔

(تفسیر القرآن: سید سوری)